اسلام کا اقتصادی نظام

از مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

گزشتہ مضمون میں جن "بنیادی اصول" کا ذکر کیا گیا ہے ان کے پیش نظر اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ "اسلام" نے اپنے "اقتصادی نظام" میں ان کا کہاں تک لحاظ کیا ہے اور "علمی نظریات" "عملی تعلیمات" کے ذریعہ ان کو کامیاب بنانے میں کون کون سی صورتیں اختیار کی ہیں۔ ہم نے "اصول موضوعہ" کی پہلی "دفعہ" کو اس طرح ادا کیا ہے:-

وہ "اقتصادی نظام" ہر فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہو اور جماعت کا کوئی فرد بھی عملی جد و جہد کے بعد اُس (معاشی زندگی) سے محروم نہ رہے۔"

یہ "دفعہ" اس قدر صاف اور واضح ہے کہ اگر یہ کہدیا جائے کہ دنیا میں "اقتصادی نظام" کی حاجت صرف "اسی ضرورت" کو پورا کرنے کے لیے ہے، باقی اور دفعات اسی ایک دفعہ کی تکمیل کے لیے ہیں نیز کسی "اقتصادی نظام" کے برتر یا بدتر ہونے کا فیصلہ صرف اسی ایک "دفعہ" سے کیا جاسکتا ہے، تو بیجا نہ ہوگا،

شروع میں سورۂ ہود، والذاریات کی دو آیات پیش کرتے ہوئے اجمالی طور ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ "اسلام" نے اپنے پیرووں کو صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ کائنات ارضی میں "معیشت" کی راہ ہر ایک کے لیے کھلی ہوئی ہے اور یہ کسی کو بھی حق نہیں دیا گیا کہ وہ دوسرے پر اس راہ کو بند کر دے۔ البتہ جد و جہد شرط ہے اور اُس کے حاصل کرنے کے لیے "سعی عمل" کی ضرورت

اِن ہردو آیات کے علاوہ قرآنِ عزیز میں جن جن مقامات پر اللہ تعالیٰ کی رزاقیت کو بیان کیا گیا ہے اُن تمام آیات میں یہ بات قوت کے ساتھ لوگوں کے دل و دماغ میں اُتاری گئی ہے کہ معیشت اور اسبابِ معیشت کا معاملہ خدا ہی کے ساتھ متعلق ہے اور اس کے لیے ہرگز کسی انسان کو کفیل نہیں بنایا گیا کہ جب وہ چاہے کسی پر اُن کو وسیع کردے، اور جب چاہے کسی پر تنگ کردے یا سرے سے بند کردے

لا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاھم (۶ : ۱۵۲)	اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم ہی تمہیں بھی "روزی" دیتے ہیں اور اُنہیں بھی۔
ومن یرزقکم من السماء والارض ءالٰہ مع اللہ (۲۷ : ۶۴)	اور آسمان سے اور زمین سے تم کو روزی کون دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟
اِن اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین (۵۱ : ۵۸)	بیشک اللہ ہی روزی دینے والا ہے، بڑی مضبوط قوت والا۔
وجعلنا لکم فیہا معایش (۲۰ : ۱۵)	اور ہم نے زمین میں تمہارے لیے معیشت و اسبابِ معیشت پیدا کردیے ہیں۔
واذا قضی الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ (۶۲ : ۱۰)	اور جب نماز ختم ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے "رزق" کو تلاش کرو۔

اِن آیات میں اس کا بھی سدِ باب اور قلع قمع کردیا گیا ہے کہ "مذہب" یا "تہذیب و تمدن" کے نام پر کسی وقت اور کسی زمانہ میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ان ہردو اُمور کے متعلق ایسے قوانین ایسے نظریے، یا ایسے عملی پروگرام وضع کرے جو انسانی دنیا کے کسی ایک فرد بلکہ کسی ایک جاندار کو بھی زندہ رہنے کا حق نہیں دیتا ہو یا معیشت و وسائلِ معیشت سے محروم کرتا ہو، اور یہ کہ جو مذہب یا تمدن یا سوسائٹی

ایسا کرتے ہیں وہ باطل، ظالم اور خدا کی مخلوق کے لیے وبال ہیں اور بلا شبہ ایسے مذہب، تمدن، سوسائٹی اور حکومت کو پہلی فرصت میں دنیا سے مٹ جانا چاہیے۔

قرآن مجید معاش و معاد انسانی کے لیے ایک بنیادی نظام ہے اس لیے اُس کا فرض یہی تھا کہ وہ ان آیات، اور ان جیسی دوسری بہت سی آیات میں نئے نئے اسلوب بیان، اور معجزانہ نظم و ادا کے ساتھ اس مسئلہ کی بنیاد کو اس طرح استوار کر دیے کہ پھر جو نظام بھی اس کی روشنی میں عالم کی معیشت کے لیے ترتیب دیا جائے وہ ثریٰ سے ثریا تک راست اور صحیح ہو اور اُس کے کسی ایک گوشہ میں بھی کجی اور عدم استواری باقی نہ رہے۔ اسی لیے کسب معیشت کی ترغیب کا وہ تمام ذخیرہ جو احادیث و روایات کی شکل میں پایا جاتا ہے ہمارے اس بیان کی حرف بحرف تائید کرتا ہے۔

قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :۔

من الذنوب ذنوب لا یکفرھا الا الھم فی طلب المعیشۃ۔
(طبرانی فی الاوسط، ابونعیم فی الحلیہ)

گناہوں میں سے بعض گناہ وہ ہیں جن کا کفارہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انسان "معیشت" کی طلب میں مشقت و تکلیف برداشت کرے۔

اذا صلّیتم الفجر فلا تنوموا عن طلب ارزاقکم (کنز العمال جلد۲)

جب تم نماز فجر ادا کر لو تو پھر طلب رزق سے پہلے ہرگز نہ سوؤ۔

قال عمر بن الخطاب :۔

لا یقعد احدکم عن طلب الرزق
(صاحب القوۃ والذہبی)

کسی انسان کو طلب معیشت سے بیٹھ نہ جانا چاہیے۔

سید مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

نہ ہونے پائے اور ساتھ ہی اُس کی راہ افراط وتفریط کی راہ سے الگ ایک اعتدال کی راہ کھلا سکے اس لیے اُس نے حکومت کے معنی" شاہنشاہیت" "ڈکٹیٹرشپ اور موجودہ ڈیماکریسی (جمہوریت) کے خلاف ایک ایسی شوروی نظام کے بیان کیے جس میں "خلیفہ" یا حاکم کی حیثیت ایک خادمِ ملک وملت کی نظر آتی ہے نہ کہ" حاکمِ قوم وملک" کی۔ اسی لیے اُس کے انتخاب اور معزولی میں رائے عامّہ کو مختار بنایا گیا، اور امورِ مہمہ مملکت میں "شوریٰ" کو ضروری اور حکومت کا جزء قرار دیا گیا، نیز اُس کی اور اُس کے ماتحت عمّال کی زندگیوں پر ایسی قیود عائد کی گئیں کہ جن کی بدولت کسی وقت بھی نظامِ حکومت میں ملک وپبلک کی خدمت کے علاوہ حکومت وسطوت کا جذبہ پیدا نہ ہوسکے اور "حکومت" کا مقصد ملک وملت کی نمایندگی کے سوا اور کچھ باقی نہ رہے، نیز "اسٹیٹ" "خلافت" اور اُس کی ملکیت شخصی اور انفرادی ملک نہ بننے پائے بلکہ اس کا سارا نظام جمہور کی ملک ہو، اور آمدنی وذرائع آمدنی میں انفرادی ملکیت کے اثبات واقرار کے باوجود ایسی تحدید وتعیین پائی جاتی ہو کہ جس سے مذموم سرمایہ داری کا سسٹم کسی وقت بھی جاری نہ ہونے پائے۔

عن عبداللہ بن عمرو ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لا یحل لثلاثۃ یکونون لفلاۃ من الارض الا امّروا علیہم احدہم (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تین آدمی کسی چٹیل زمین میں بھی موجود ہوں تو اُن کے لیے اپنے میں سے ایک امیر منتخب کرلینا ضروری ہے۔

عن ابی ذر قلت یا رسول اللہ الا تستعملنی قال انک ضعیف وانہا امانۃ وانہا یوم القیمۃ خزی وندامۃ الا من اخذہا بحقہا وادی الذی علیہ فیہا۔ (مسلم)

حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مجھے "گورنر" بنا دیجیے آپ نے فرمایا ابوذر تم کمزور ہو اور یہ منصب قومی امانت ہے اور یہ "اُس شخص" کے علاوہ جو اُس کا صحیح حق ادا کرے اور اُس کے بارہ میں اپنے فرائض کو ٹھیک ٹھیک انجام دے، قیامت کے دن ذلت وندامت کا باعث ہوگا

عن عبدالرحمٰن بن سمرة قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم یا عبدالرحمٰن بن سمرة لا تسأل الامارة فانك ان اعطیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها وان اعطیتها عن مسئلة وكلت الیها۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرة فرماتے ہیں مجھ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عبدالرحمٰن تم کبھی "حاکمیت" کے لیے سوال نہ کرنا اس لیے کہ تم کو (قوم کی جانب سے) اگر یہ دی گئی تو خدا کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی ورنہ تم مددِ الٰہی سے محروم رہوگے اور تنہا تمہاری ذات اُسکی ذمہ دار بنادی جائیگی

عن ابی هریرة قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انكم ستحرصون علی الامارة وستكون ندامة یوم القیٰمة۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم "حکمرانی" کے لالچی ہوجاؤگے اور بہت جلد وہ تمہارے لیے قیامت کے دن ندامت کا باعث بن جائیگی۔

ان روایات کے سلسلہ میں قاضی شوکانی فرماتے ہیں:-

ویدخل فی لفظ الامارة الامارة العظمیٰ وهی الخلافة والصغریٰ وهی الولایة علی بعض البلاد۔

احادیث میں لفظ "امارت" میں بڑی امارت "خلافت" بھی داخل ہے اور چھوٹی امارت قصبوں، ضلعوں اور صوبوں کی حکومت بھی داخل ہے۔

وشاورهم فی الامر فاذا عزمت فتوكل علی الله (آل عمران)

اور اُن (اصحاب) سے مشورہ کیا کرو اور جب تم نے کسی بات کا عزم کرلیا ہو تو چاہیے کہ خدا پر بھروسہ کرو۔

عن علی رضی الله عنه قال سئل رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم عن العزم فقال مشاورة اهل الرای ثم اتباعهم (تفسیر ابن کثیر ودر منثور عن ابن مردویه)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آیت فاذا عزمت میں عزم سے کیا مطلب ہے آپ نے فرمایا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر اُس کی پیروی کرنا یعنی خلیفہ کا اہل الرائے سے مشورہ کرکے اُس پر گام زن ہونا ہی اُس

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تولّی شیئاً من امر المسلمین فاحتجب عن حاجتھم وفقیرھم احتجب اللہ دون حاجتہ
(ابوداؤد، ترمذی)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص مسلمانوں کے اموریں سے کسی امر کا بھی والی حاکم بنا اور پھر اس نے لوگوں کی حاجات وضروریات کے درے دربان بٹھادیے اور لوگوں کی حاجات کی پرواہ نہ کی تو خدائے تعالیٰ بھی اُس کی حاجات میں رُکاوٹ ڈال دیگا۔

عن عائشۃ قالت لما استخلف ابوبکر قال لقد علم قومی ان حرفتی لم تکن تعجز عن مؤنۃ اھلی وشُغلتُ بامر المسلمین فیأکل آل ابی بکر من ھٰذا المال ویحترف للمسلمین فیہ
(بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب حضرت ابوبکر خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے (برسر منبر) فرمایا میری قوم کو معلوم ہے کہ میرا تجارتی کاروبار میرے اہل وعیال کی ضروریات پورا کرنے سے درماندہ نہیں ہے۔ اب میں مسلمانوں کی خدمت پر مامور کردیا گیا تو اب ابوبکر کے اہل وعیال کی قوت لایموت بیت المال ہی سے ملیگی اور ابوبکر مسلمانوں کی خدمت انجام دیگا۔

وکان (عمر) یرزق العامل بحسب حاجتہ وبلدہٖ (الاسلام والحضارۃ العربیہ جزء ثانی)

حضرت عمر اپنے صوبہ داروں کو ضرورت اور مقامی حالت کے اعتبار سے روزینہ دیا کرتے تھے

جمع عمر المسلمین لاوّل عھدہٖ وقال مایحل للوالی من ھٰذا المال فقالوا جمیعاً: اما الخاصۃ نفقتہ وقوت عیالہ، لاوکس ولا شطط وکسوتھم وکسوتہ للشتاء والصیف ودابتان الی جھادہ وحوائجہ وصلاتہ وحجہ وعمرتہ و القسم بالسویہ (الاسلام والحضارۃ العربیہ جزء ثانی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا: خلیفہ کے لیے اس پبلک "مال" سے کیا جائز ہے سب نے متفقہ جواب دیا اُس کو اپنی ضروریات کے لیے اور اپنے عیال کے لیے روزینہ جس میں کسی قسم کی کمی زیادتی نہ ہونے پائے اور اپنے اور عیال کے سردی اور گرمی کے کپڑے اور ... ضروریات روزمرہ، نماز، حج اور عمرہ کے لیے دو سواری کے جانور اور غنیمت وغیرہ میں عام مسلمانوں کے برابر حصہ صرف یہ اُس کا حق ہے اور بس۔

قال عمر انما انا وما لکم کولی الیتیم ان استغنیتُ استعففتُ وان افتقرتُ اکلتُ بالمعروف (کتاب الخراج)

(حضرت عمر نے ایک مرتبہ فرمایا) مجھ کو تمہارے مال (بیت المال) میں اتنا حق ہے جتنا یتیم کے ولی کو اُس کے مال میں۔ اگر میں فارغ البال ہونگا تو کچھ نہ لونگا اور اگر ضرورت پڑیگی تو دستور کے مطابق کھانے کے لیے لونگا۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (توبہ)

جو لوگ چاندی سونا خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو عذاب دردناک کی بشارت دیدو

کی لا یکون دُولۃ بین الاغنیاء منکم (حشر)

(انفاق فی سبیل اللہ کا یہ طریقہ اس لیے جاری کیا گیا) تاکہ "سرمایہ" تمہارے مالداروں ہی کے اندر گھوم پھر کر نہ رہ جائے۔

بلکہ تمام آیات قرآنی، احادیث نبوی اور صحابہ کرام کے واقعاتِ زندگی ببانگ دہل اس کا اظہار کر رہے ہیں کہ اسلام کے بنائے ہوئے اجتماعی نقشہ میں "حکومت" کے مفہوم، اور اُس کے عملی پروگرام میں دولت اور وسائل دولت کے لیے "سرمایہ دارانہ نظام" کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں ثروت و دولت نہ کسی ایک طبقہ میں مخصوص ہو کر رہ سکتی ہے، اور نہ افراد بالخصوص جماعتوں کے پاس دولت و اسبابِ دولت کے بڑے بڑے خزانے جمع ہو سکتے ہیں، اور بقول مولانا آزاد:

"اسلام نے سوسائٹی کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائیگا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑپتی ہونگے، نہ مفلس و محتاج طبقے، ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائیگی الخ (ترجمان القرآن جلد دوم)

اس اجمال کی شرح یہ ہے کہ "اسلامی نظامِ حکومت" کی اس عادلانہ روش نے سوسائٹی میں ایک ایسے "اقتصادی نظام" کی طرح ڈال دی جس سے ہر فرد انسانی کو خدا کی بخشی ہوئی دولت و وسائل دولت سے نفع

حاصل کرنے کا موقع ملا، اور جد وجہد کے بعد اُس سے محرومی کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ چنانچہ اقتصادی نظام کے اس خانہ کو پُر کرنے کے لیے اسلام نے "حکومت" پر دو طرح کی ذمہ داری عائد کی ہیں۔

(الف) جس کا تعلق براہ راست حکومت "اسٹیٹ" سے ہے۔

(ب) جس کا تعلق پبلک اور رعایا کے واسطہ سے حکومت سے ہے۔

اور ان دونوں قسم کی ذمہ داریوں کا نقشہ اس طرح مرتب کیا جا سکتا ہے:۔

قسم (الف) کی ذمہ داریاں	قسم (ب) کی ذمہ داریاں
(۱) اعداد و شمار کا انتظام	(۱) ذاتی املاک پر ٹیکس "زکوٰۃ و صدقات"
(۲) وظائف	(۲) تجارت اور صنعت و حرفت کی ترغیب اور اس کے لیے سہولتیں۔
(۳) بیت المال	(۳) سود کی حرمت
(۴) انفرادی ملکیت کی تحدید	(۴) تجارتی بدعنوانیوں کی روک تھام۔ سرمایہ دارانہ ترقی کی بندشیں۔
(۵)	(۵) زمین کے متعلق خصوصی احکام
	(۶) تقسیم دولت کا قانون، مثلاً میراث

اعداد و شمار: یوں تو ہر ایک "نظام" کے لیے اعداد و شمار خاص اہمیت رکھتے ہیں اور اس کے بغیر کوئی نقشہ بھی مکمل نہیں سمجھا جا سکتا، مگر اقتصادی نظام میں اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے، اس لیے کہ جب تک کسی ملک کی صحیح مردم شماری اور پھر پبلک کی معاشی زندگی کے درجات، برسر روزگار، بے روزگار، تجّار، صنّاع، معذور، مریض، کے صحیح اعداد و شمار مرتب نہ ہوں نیز زمین، کارخانہ جات، معادن سکہ جات، ٹیکس و محصولات، یعنی آمدنی و ذرائع آمدنی، اور مصارف وارباب مصارف کی تعیین میں بھی

اعداد و شمار کا اگر لحاظ نہ رکھا جائے تو اُس ملک کی اقتصادی حالت کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتی، بلکہ ایسے ملک یا ملکی حکومت میں اقتصادی نظام کا نام لینا بھی عبث اور فضول ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ آج جس قدر لگایا جارہا ہے اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے اپنے اقتصادی نظام میں اس اہمیت کو زیادہ سے زیادہ تسلیم کیا، اور نہ صرف تسلیم بلکہ اس کو اپنے عملی پروگرام کا ایک اہم جزو قرار دیا۔

ولما توسع المسلمون فی الفتح وانتشروا فی الممالك وكثرت مواد الدولة وتبسطت فی مناحی العمران واخذ یزداد الفئ من الخراج والجزیة زیادة لا طاقة للخلیفة وامرائه بضبطها ولا قبل لهم باحصاء مستحقیها وتوزیع الاعطیات (المرتبات) علی اربابها بالعدل الا بضبطها وترقیمها علی اصول ثابتة وقیدها فی قیود خاصة دعا عمر رضی اللہ عنہ الصحابة واستشارهم فی كیفیة تدوین الدیوان الخ

مسلمانوں کی فتوحات جب وسیع ہوگئیں اور اُنھوں نے بہت سے ملکوں پر قبضہ کرلیا اور دولت و ثروت کا مواد بہت کافی جمع ہوگیا اور اُن کی عمرانی حدود بہت زیادہ وسیع ہوگئیں اور خراج وجزیہ سے آگے فئ و غنیمت میں اس قدر اضافہ ہونے لگا کہ خلیفہ اور اعیان خلافت اس کے نظم و انتظام سے عاجز آنے لگے اور مستحقین مصارف اور تقسیم عطایا میں اصحاب عطیات کا احاطہ ناممکن ہوگیا، اور تاوقتیکہ خاص قیودات اور معین و مرتب اصول پر اُن کو مرتب نہ کیا جائے اُن کی ترتیب دشوار تر ہوگئی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی مجلس شوریٰ منعقد کی اور اُن سے مشورہ کیا کہ کس طرح مالیات و مصارف اور اصحاب مصارف و مالیات کے اعداد و شمار کے رجسٹر ترتیب دیے جائیں الخ

والسبب فی تدوین الدواوین ان عامل عمر علی البحرین اتاه یوما بخمسمائة الف درهم فاستعظمها وجعل علیها حراسا فی المسجد

ابتداء میں اعداد و شمار کے رجسٹروں کی ترتیب کا سبب یہ پیش آیا کہ بحرین کے گورنر کے پاس سے پانچ لاکھ درہم موصول ہوئے حضرت عمر نے اس کو بڑی تعداد سمجھتے ہوئے مسجد میں اُس پر

فاستشار علیہ بعض من عرفوا فارس والشام ان یدّون الدواوین یکتبون فیہا الاسماء وما لواحد واحد، وجعل الارزاق مشاہرۃ"

محافظ مقرر کردیے اور صحابہ سے مشورہ کیا اور بعض صحابہ نے جو فارس و شام کے حالات سے واقف تھے یہ مشورہ دیا کہ رجسٹروں کی ترتیب دیجائے، جن میں لوگوں کے نام اور اُن سے متعلق روزینہ کا تذکرہ ہو اور روزینہ کا معاملہ ماہواری ہو جائے۔

یہ اور اسی قسم کے دوسرے حوالجات" جو مقریزی، طبری، اور تاریخ ابن کثیر جیسی مشہور کتب سیر میں موجود ہیں، اس کی صراحت کرتے ہیں کہ" نظام اقتصادی کے بنیادی امور میں خلفا ر اسلام نے" اعداد و شمار" کو بہت زیادہ اہمیت دی، اور اپنے نظام میں اُس سے بہت زیادہ مدد لی۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اعداد و شمار کے اسم قسم کے رجسٹر و دفاتر تو ہر ایک حکومت میں ہوا کرتے ہیں اور یہ کہ یہ تو ضروریات حکومت میں سے ایک اہم ضرورت ہے، اس کا" اقتصادی نظام" سے خاص تعلق معلوم نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ" اقتصادی نظام" کی برتری اور بدتری کا بہت کچھ مدار حکومت کے سسٹم پر ہے، سو اگر کسی حکومت کا سسٹم ایسے اصول پر قائم ہے جس میں سرمایہ داری کو فروغ لازمی اور ضروری قرار دیا جاتا ہو تو ایسی صورت میں" اعداد و شمار" کی اہمیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ملک میں سرمایہ داری اور سرمایہ داروں کی ترقی کی شکل کیا ہو۔

اور اگر کسی حکومت کا سسٹم سرمایہ داری کے اصول کے خلاف ہے تو وہاں اعداد و شمار کی اہمیت کا مقصد یہ قرار دیا جائیگا کہ ملک و قوم کا کوئی فرد اپنی معاشی زندگی میں محروم نہ رہ جائے، اس لیے" اقتصادی نظام" میں اعداد و شمار کی اہمیت اس دوسرے سسٹم کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور اس لیے اسلام نے اس دوسرے سسٹم ہی کو اختیار کیا ہے۔

(باقی)

ہندوستان میں قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ

از جناب مولوی سید عقیل محمد صاحب بی ایس سی ایل ایل بی (علیگ)

(۲)

شریعت بل اور خلع بل کی بابت چند سوالات اور اُن کا جواب

اس موقع پر مسٹر عبداللہ کے شریعت بل اور مسٹر کاظمی کے طلاق بل کی بابت چند اہم سوالات کا پیدا ہونا ممکن ہے جن کا تفصیلی جواب بطور ضروری تمہید کے مفید ثابت ہوگا :-

(۱) مسٹر عبداللہ کے شریعت بل کا منشا و مفہوم کیا ہے؟ کیا وہ معاملات کے جملہ شقوق پر حاوی ہے۔

(۲) شریعت بل کے ہوتے ہوئے مسٹر کاظمی کے بل کی ضرورت باقی رہتی ہے؟

(۳) شریعت بل میں جو ناقص ترمیمات داخل ہوگئی ہیں، اگر اُن کو خارج کردیا جائے تو پھر یہ ایکٹ قانونِ شریعت کے نفاذ میں کس حد تک معین ہوگا؟

(۴) کیا اس سلسلہ میں شریعت بل میں کسی جدید ترمیم کی ضرورت ہے؟

شریعت بل اپنے اندر کافی وسعت لیے ہوئے ہے اور شفعہ کے علاوہ مجملاً "شرع محمدی" کے تمام مذکورہ بالا ابواب پر حاوی ہے، چنانچہ شریعت بل کی دفعہ ۲ میں اس کی تفصیل کردی گئی ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ "اس دفعہ کے ماتحت جس قدر معاملات ہونگے اُن کا فیصلہ مسلم پرسنل لا (Moslim Personal Law) کے بموجب ہوگا، بشرطیکہ فریقین مسلمان ہوں" لیکن بیع و رہن وغیرہ کے

معاملات جو قانونِ انتقال جائداد کے تحت میں آتے ہیں۔ وہ سب اس بل سے مستثنیٰ ہیں۔ اور اس بارے میں یہ بل انگریزی قواعد کا ناسخ نہیں ہے۔ اسی طرح سودی لین دین وغیرہ بھی اس بل سے خارج ہیں۔ لہذا یہ ظاہر ہے کہ شریعت بل معاملات کی جملہ شقوق پر حاوی نہیں ہے اور نہ وہ سابق "شرع محمدی" پر کسی باب کا اضافہ پیش کرتا ہے۔ کاش اگر شریعت بل میں کوئی ایسی دفعہ بھی ہوتی جس کے سبب سے "شرع محمدی" کو انگریز ججوں کی غلط نظائر سے رستگاری نصیب ہوجاتی جب بھی اس قانون کو کسی درجہ میں اہمیت حاصل ہو جاتی، مگر واقعہ یہ ہے کہ دفعہ ۲ کے الفاظ سے کوئی ایسا نتیجہ برآمد ہونا قرین قیاس نہیں ہے بلکہ دفعہ ۳ کے بموجب تو وضع قانون کے اصل مقصد کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ ان دفعات میں یہ طے کر دیا گیا ہے کہ دفعہ ۲ سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ صاحب معاملہ ایک باضابطہ تحریری بیان عدالت میں داخل کردے کہ وہ اس دفعہ سے مستفید ہونے کا خواہشمند ہے اس بیان کے بعد اُس پر اور اُس کے خاندان وورثاء پر یہ قانون عائد ہوسکیگا۔

شریعت بل میں کل چھ دفعات ہیں۔ دفعہ ۵ کے مختصر الفاظ میں مسلمان شادی شدہ عورتوں کو یہ حق عطا کیا گیا ہے کہ وہ جج صاحب ضلع کے یہاں درخواست پیش کر کے کسی شرعی وجہ کی بنا پر بعد تحقیق وثبوت کے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہیں۔ مسٹر کاظمی کا خلع بل دراصل اسی دفعہ کی تشریح کرتا ہے اور اس میں وہ شرعی وجوہ جو فسخ نکاح کے لیے کافی ہوسکتی ہیں بالتفصیل مذکور ہیں، مگر اس بل کی غایت اصلی ایسے معاملات کو مسلمان عدالتوں میں لانا اور فرضی ارتداد کو فسخ نکاح کے لیے غیر موثر قرار دینا ہے، مرکزی اسمبلی کی جابرانہ ترمیمات کے بعد مسٹر کاظمی کا طلاق بل مسلمانوں کی سیاسی زندگی پر ایک بدنما دھبہ بن کر رہ گیا ہے اور اب وہ دیگر اصلاحی تدابیر کے لیے مانع ومزاحم ثابت ہوگا۔

شریعت بل سے ترمیماتِ مشمولہ دفعہ ۳ و ۴ خارج ہونے کے باوجود یہ ایکٹ مندرجہ ذیل نقائص میں مبتلا رہیگا۔ اس لیے اُس کو مستقبل کی ترقیات کے لیے محض ایک بنیاد کے طور پر قائم